شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہُ سِرَّہُ السّعید
مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

اکتوبر 2013ء / ذی قعدہ، ذی الحجہ 1434ھ - جلد نمبر 5، شمارہ نمبر 10 - قیمت فی شمارہ: مبلغ 20 روپے - سالانہ ممبر شپ: مبلغ 200 روپے - تین سالہ ممبر شپ: مبلغ 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

- درسِ قرآن
- درسِ حدیث
- خطبات و بیانات
- رفتارِ کار
- دینی مسائل

اداریہ عوام کے لیے ''تبدیلی کہاں ہے؟''

ولی اللّٰہی نقطۂ نگاہ سے قرآن فہمی کے بنیادی امور

ایک ولی کی آغوش میں (2)

احکام و مسائل قربانی

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''مذہبی اعتبار سے ہمارے سامنے موجود تحریکوں میں سے کسی میں کوئی خاص امید افزا پہلو نہیں ہے۔ اب تو دہریت چھاتی جائے گی۔ کیوں کہ دین تو دینی لوگوں کے وقار سے ہوا کرتا ہے۔ اب فقرا خواہ وہ کتنے ہیں غلط ہوں اور علما خواہ ان کو بھی غلطیاں لگ رہی ہوں، جب اُن کا وقار اور احترام لٹ گیا تو اب دین تو پیدا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ دوسروں میں دین کہاں سے آئے گا۔ میں جب لیگ کو غور سے دیکھتا ہوں تو آگے انگریز کھڑا نظر آتا ہے۔ جمعیت والوں، یعنی حضرت مدنی کے ہم معتقد ہیں۔ احرار میں بھی چند اچھے لوگ ہیں۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی بات عقل کی معلوم ہوتی ہے، مگر کون مانتا ہے۔ (سید عطاء اللہ) شاہ صاحب، ماسٹر تاج الدین صاحب سب اچھے لوگ ہیں، مگر یہ غریبوں کی جماعت ہے۔ ... میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مدنی جیسے حضرات کو بلاوجہ ستانے کا خمیازہ قوم کو بھگتنا ہی پڑے گا۔ ...

حیرت ہے کہ لوگ کچھ ایسے جنون میں مبتلا ہیں کہ نہ خود سمجھتے ہیں اور نہ کسی کی مانتے ہیں، ویسے معتقد بھی بنے رہتے ہیں۔ اور خلاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ نہیں معلوم، خدا کو کیا منظور ہے۔ اس لیے اب ہم نے تو اس سلسلے میں کچھ کہنا چھوڑ دیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو اختیار دے دیا ہے کہ جس کے جو جی میں آئے، کرے۔ جب کوئی سنتا ہی نہیں تو اور کیا کِیا جائے۔ اگر لوگ علما کے پیچھے چلتے تو کبھی یہ حالت نہ ہوتی اور نہ یہ فساد ہوتے۔ باقی رہا دین کا قصہ، تو جب دین دار طبقے کا اقتدار اور وقار ختم ہوگیا تو اب دین بھی ان لوگوں میں نہیں رہ سکتا۔ میرا جی بالکل نہیں مانتا کہ ایسی قوم کے اُبھرنے کی کوئی سبیل ہوسکتی ہے۔ ویسے خدا چاہے تو دشمنوں کو مسلمان بنا کر دین کا کام لے لے۔

(مجلس 23/محرم الحرام 1366ھ/ 18/دسمبر 1946ء، ڈھڈیاں، سرگودھا) (ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:142۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21 راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیونتھ روڈ سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 1st, 111 فلور، رائل اپارٹمنٹ ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

درسِ قرآن

تشریح: امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

نماز اور زکوٰۃ کا دائمی قانون

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ (20:73)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ کو اُدھار دو بطریق احسن۔ تم اپنی جو نیکی آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے پاس پالو گے۔ وہ اجر کے لحاظ سے بہت اچھا اور بہت بڑا ہے۔)

تہجد کی معافی کے ساتھ عام نماز معاف نہیں ہوگی۔ اسے ضرور قائم رکھو۔ یہ تجلی الٰہی کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے مساکین کی خدمت، جس کے لیے زکوٰۃ کا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ مساکین کی خدمت کے لیے اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ نکالتے رہو کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ یہ انقلاب کا لازمی جز ہے۔ ورنہ غیر انقلابی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جو لوگ مساکین کی روٹی اور دیگر انسانی ضرورتوں کا مسئلہ حل نہیں کریں گے، وہ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ حکومت قائم ہو جائے تو مساکین کے کھانے پینے وغیرہ کا منظم انتظام اس کا فرضِ اولین ہوگا۔ وہ عام مسلمانوں سے زکوٰۃ کا بقدر ضرورت ٹیکس وصول کر کے مساکین پر خرچ کرے گی۔ اگر آمدنی کی اس مد سے یہ خرچ پورا ہوتا رہے تو اچھا ہے، ورنہ دوسری مدات سے اس کام میں مدد دی جائے گی۔ اگر دیگر مدات بھی اس کی کفیل نہ ہو سکیں تو مزید ٹیکس لگایا جائے گا۔ مگر یہ اختیار اس حکومت کو ہے، جو اپنا حساب قوم کے سامنے پیش کرے۔ اگر وہ دارالشوریٰ (پارلیمنٹ) میں اپنا حساب پیش نہیں کرتی تو اسے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جتنا لیتی ہے، ظلم سے لیتی ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ یہ قرضہ بھی قرآن کا قانون چلانے والی حکومت کو دیا جائے گا اور اس سے اس پر سود نہ لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک شخص کو اپنا فالتو روپیہ سرکاری بیت المال میں جمع کرانا ہوگا۔ جہاں سے وہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔ اور حکومت اس پر مرضی سے جس قدر چاہے، نفع دے سکتی ہے۔ جس کی شرح وغیرہ پہلے سے طے نہ ہوگی، یہ نفع دینا نہ دینا اور کس شرح سے دینا، یہ سب باتیں حکومت کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑنا ہوگا۔

آج کل بینک آف انگلینڈ (Bank of England) نے تمام دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا نظام سود پر چلتا ہے۔ ہمارے بینک ایسے نہیں ہوں گے۔ ہمارے بینک امدادی بینکوں (Co-operative Societies) کے اصولوں پر ہوں گے۔ جن میں ہلکا سود بھی نہیں لیا جائے گا۔ ان کے چلانے کے لیے سوسائٹی اپنا علاحدہ انتظام کرے گی۔

تم اپنے اجتماعی فائدے کے لیے جو کام بھی ان اصولوں پر کرو گے، وہ ضائع نہیں جا سکتے۔ اگر ان سے براہ راست تمہاری ذات کو فائدہ نہ پہنچا تو تمہاری اولاد کو یا دوسرے عزیزوں کو یا اجتماع انسانی کے کسی فرد کو فائدہ پہنچ جائے گا اور دنیا میں قومی کاموں سے بڑھ کر بلند تر درجے پر کام کرنے کا حوصلہ دلائے گا۔ اور اس کا جو اثر تمہارے نفس پر مرتب ہوگا، وہ آئندہ زندگی میں بھی بالآخر تمہارے لیے مفید ثابت ہوگا۔

بے شک تم آج قومی درجے پر کام کر رہے ہو، اور یہ کوئی بلند درجے کا کام نہیں ہے، لیکن آگے چل کر تم اسی قومی کام کے نتیجے کے طور پر بین الاقوامی کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے، جس کا اجر تمھیں اس سے بہت زیادہ اور نہایت شان دار شکل میں ملے گا۔ پس اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر قاری تاج افسر

ارکانِ اسلام کی اہمیت

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (متفق علیه)

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔ ۱۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں ۲۔ نماز قائم کرنا ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا ۴۔ حج بیت اللہ ادا کرنا ۵۔ رمضان کے روزے رکھنا۔) (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اسلام کی بنیاد کے طور پر پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ اسلام کا لغوی معنی انقیاد اور اطاعت ہے۔ جب ایک آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے (جس کو ایمان کہتے ہیں) تو اس کا اظہار بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے عقیدہ توحید کا اظہار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات کے حوالے سے یکتا ماننا اور اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں (انفرادی، اجتماعی نیز عبادات، معاملات، سیاست، معیشت، سماجی رویوں) میں اسی کی اطاعت کرنا۔ غیر اللہ کے ضابطوں، قوانین اور ان کی سیاست و معیشت کے خود ساختہ قوانین سے برأت کا اظہار کرنا۔ چونکہ توحید کی یہ تشریح رسول اللہؐ کی سیرت سے ثابت ہے، اس لئے محمد رسول اللہ کا اعلان کر کے اپنے آپ کو سیرت نبویؐ کی اطاعت کا پابند کر دینا۔

۲۔ نماز قائم کرنا۔ نماز مؤمن کی ترقی کا زینہ ہے اس کے ذریعے سے انسان اخبات الی اللہ اختیار کرتا ہے۔ کپڑے کی طہارت، جسم کی طہارت، جگہ کی طہارت اس سے پہلے ہے۔ اور پھر قبلہ رخ ہو کر ذہنی یکسوئی کے ذریعے خیالات کی طہارت اور پھر خشوع و خضوع نماز کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہہ کر شرک اور پراگندہ خیالی سے پاکیزگی بھی نماز سے حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا یعنی اپنے کمائے ہوئے مال میں سے مقرر کردہ حصہ غرباء اور مساکین پر خرچ کرنا تاکہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مال کی محبت راسخ نہ ہو جائے۔ اور انسانی سماج میں رہنے والے ایک بڑے طبقے، غرباء، مساکین کا بھلا ہو، اس کی بھوک ختم ہو اور وہ بھی فقر کی وجہ سے پریشانی اور اضطراب سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو۔

۴۔ حج ادا کرنا۔ یعنی ارض مقدس کا سفر کر کے بیت اللہ کا طواف، صفا، مروہ کی سعی اور ملت ابراہیمی کے دیگر شعائر ادا کرنا، حضرت امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ (اللہ کی صفات کے مظاہر) چار ہیں۔ کتاب اللہ، رسول اللہ، بیت اللہ اور نماز۔ حج کے موقع پر چاروں شعائر اللہ کی بیک وقت تعظیم کے اظہار کا موقع ملتا ہے جو دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مظہر ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''الحج عرفۃ'' اصل حج عرفات میں قیام ہے۔ گویا حج کا ایک بڑا مقصد، مسلمانوں کے اہل ثروت کا نمائندہ اجتماع ہے۔ جس سے دنیا کے شیطانوں پر مسلمانوں کے اخلاق کا رعب پیدا ہوتا ہے اور ان کو باہم مشاورت اور رابطے کا موقع ملتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ اطلاعات بھجوا کر تمام علاقوں کے گورنروں کو حج کے موقعہ پر بلاتے اور ہدایات جاری فرماتے تھے۔

۵۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ روزہ کا معنی یہ ہے کہ دن بھر کھانے، پینے اور خواہشات نفسانی سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ اس سے خواہشات پر قابو پانے کی ہمت اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ بھوکے، پیاسے انسانوں کا احساس دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ تنگی معیشت کی وجہ سے خلق خدا کی پریشانی اور اضطرابی کیفیت کا اندازہ ہوتا اور اس کو حل کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے سماحت، زہد اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ دراصل یہ پانچ امور ایک مسلمان کے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کیلئے بنیادی اور ابتدائی نصاب ہے۔ جس کو کم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اداریہ

عوام کے لیے ''تبدیلی'' کہاں ہے؟

کوئی بھی انسان اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے نیاز اور لاتعلق نہیں رہ سکتا، کیوں کہ وہ پورے سماج کی ناگزیر کڑی ہے۔ سماج کا ہر اچھا بُرا فیصلہ اسے متاثر کرتا ہے۔ اسی تناظر میں ہر ملک اور سماج کی طرح پاکستان کا شہری بھی اپنے اردگرد کے ماحول سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اوّل دن سے ہر پاکستانی اچھے دنوں کے انتظار میں اپنی زندگی بِتائے جارہا ہے، لیکن ابھی تک اچھے دنوں کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ پاکستانی قوم ایک ایسے عجوبہ قیادت کے ہاتھ میں یرغمال ہے جس کے کئی چہرے ہیں۔ لوگ پانچ سال تک اپنے اوپر مسلط نظام کے خلاف اپنے جذبات کو پالتے پوستے اور اپنے دشمن کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ پھر ایک نئے چہرے کے ساتھ قوم کا ہمدرد بن کر اس پر مسلط ہوجاتا ہے۔

نام نہاد قیادت کئی روپ دھارے ہوئے ہے اور اس کے کئی ایک نمونے ہماری سوسائٹی میں موجود ہیں، جیسے سیاسی لیڈر، مذہبی لیڈر، اصلاحی لیڈر، حکمران اور بیوروکریٹس وغیرہ، مگر اِن کا قوم کے ساتھ رویہ دوہرے معیار کا ہے۔ کم وبیش یہ ساری قیادتیں مقتدر طبقات اور حکمران کلاس سے تعلق رکھتی ہیں۔ قانون ان کے ہاتھ میں موم کی ناک، جمہوریت ان کے گھر کی لونڈی اور انتخابات ان کے لیے منافع بخش کاروبار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور عوام کو یہ اپنا بے دام غلام سمجھتے ہیں۔

اس نام نہاد لیڈرشپ کا شیوہ صرف نعروں اور بیانات کی سیاست ہے۔ ان میں ہر سیاسی قبیلے کے اپنے درجنوں نعرے اور سلوگن ہیں، جو انھوں نے عوامی شعور کا چراغ بجھانے کے لیے گھڑ رکھے ہیں۔ ان نعروں کا ان کی عملی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پاکستان کی گزشتہ تاریخ اس کی گواہ ہے۔ ان نعروں میں اسلام، جمہوریت، احتساب، سرحدوں کی حفاظت، دہشت گردی کا خاتمہ، نظریۂ پاکستان کا تحفظ، عوام، انقلاب اور تبدیلی سرِفہرست ہیں۔ ایسے ہی ان رہنماؤں کے روزانہ کے جاری کردہ بیانات ہیں، جو تنخواہ دار لکھاری لکھتے اور ملکی اخبارات میں چھپ جاتے ہیں۔

ایسے ماحول اور پس منظر میں مقتدر طبقات کے زیرِسایہ بننے والی کوئی حکومت عوام کی امنگوں پر کیسے پورا اُتر سکتی ہے؟ اور ہر نام نہاد الیکشن کے نتیجے میں بننے والی حکومت کے دعووں کو سچ سمجھ کر خوش حالی، امن اور عدل وانصاف کے خواب دیکھنا خوش فہمی اور اپنے آپ کو دھوکا دینے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

موجودہ حکومت اور پارلیمنٹ کو سو دن سے اوپر گزر گئے ہیں۔ یہ عوام کو بتائیں کہ انھوں نے عوام کی سانسیں آسان کرنے کے لیے کیا کِیا ہے۔ حکمران جماعت نے عوام سے ووٹ لینے کے لیے ان کے جذبات کو دل فریب نعروں سے گرمایا تھا اور حکمران پارٹی کے سربراہ نے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: ''اس بار ملک میں تبدیلی ہی نہیں بلکہ انقلاب آئے گا۔'' وہ تبدیلی جس کا عوام سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ کہاں ہے؟ سو دنوں کا انقلاب عوام کے سامنے ہے کہ ان سو دنوں میں اشیائے خورونوش میں آٹھ فی صد اضافہ ہوچکا ہے۔ بجلی، پٹرول اور آٹا مہنگا کرکے غریب کے مونہہ کا نوالہ بھی چھین لیا گیا ہے۔ ہمیشہ کی طرح کشکول توڑنے کا وعدہ کرنے والے حکمرانوں نے آئی ایم ایف کی کڑی اور بے رحم شرائط تسلیم کرلی ہیں اور جی ایس ٹی میں اضافہ کرکے عوام کا خون نچوڑنے کے لیے ان کو عالمی خون خواروں کے آگے ڈال دیا گیا ہے۔ اور اپنی حکومت کے پہلے پچاس دنوں میں اسٹیٹ بینک سے چھ سو ارب روپے کے قرضے لے کر گزشتہ حکومت کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ ٹیکس نیٹ ورک وسیع کرنے اور ٹیکس نادہندوں سے ٹیکس وصول کرنے کی بجائے انھی لوگوں کے کندھوں پر بوجھ بڑھا دیا ہے، جو پہلے ہی ٹیکس دے رہے تھے۔ ملک کی مجموعی معیشت بیرونی امداد کی آکسیجن پر سانس لے رہی ہے۔ بنیادی طور پر ہر حکومت کے دور میں اس طرح کا بحران سرمایہ دارانہ طرزِ معیشت کا پیدا کردہ بحران ہوتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کا یہ المیہ ہے کہ اس کے پاس محروم طبقات کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ انھی کو دیتی ہے، جن کے پاس پہلے ہی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے اور انھیں محروم کرتی ہے جو پہلے ہی محروم ہوتے ہیں۔ یہ کالی معیشت وہ عفریت ہے، جو دنیا میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے لاکھوں جانوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ یہ خونی معیشت قیامِ پاکستان سے ہی ہم پر مسلط ہے، جسے حکمران اور سیاست دان طبقے قبول کیے ہوئے ہیں اور ان کے مفادات اسی سے جڑے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ریاست کا سیاسی، معاشی، انتظامی اور سوشل ڈھانچہ سرمایہ دارانہ اور عوام دشمن بنیادوں پر قائم ہے۔

ضرورت اس مرکی ہے کہ پاکستان میں موجود قیادت کے ہر ماڈل کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے کہ آخر یہ کس کی ترجمان ہیں؟ عوام کی یا ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کی؟ جس نے پوری قوم کو یرغمال بنایا ہوا ہے اور ہر پانچ سال بعد باری لینے کے معاہدے کس نظام کی نمائندہ قوتیں ان کے درمیان کرواتی ہیں؟ ان کے کتنے چہرے اور کتنے نعرے باقی ہیں، جنھیں آئندہ انتخابات کے موقع پر استعمال کرکے قوم کو دھوکا دیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ہمارے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو، انھوں اپنی زندگی کی ساری متاع اسی فکروشعور کو عام کرنے میں صَرف کردی۔ وہ اس حدیثِ مبارکہ کا اکثر حوالہ دیا کرتے تھے کہ:

''مؤمن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔''

لیکن ایک ہم ہیں کہ گزشتہ نصف صدی سے ڈسے جارہے ہیں اور ہمارا پورا قومی وجود زہر آلود ہوچکا ہے، جس کا تریاق صرف ''حقیقی اور سچی تبدیلی'' ہی ہوسکتا ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب ہم سچے اور جھوٹے کی پہچان سیکھ جائیں اور کوئی بہروپیا اور مداری قیادت ہمیں دھوکا نہ دے سکے۔ (مدیر)

خطبہ جمعۃ المبارک

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

ولی اللّٰہی نقطۂ نگاہ سے قرآن فہمی کے بنیادی امور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 5/جولائی 2013ء کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے مین کیمپس لاہور میں نماز جمعہ سے قبل دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا آغاز کرتے ہوئے شرکائے دورۂ تفسیر سے قرآن فہمی کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پُرمغز ارشادات فرمائے:

معزز دوستو! دین اسلام کی جامع تعلیمات شریعت، طریقت اور سیاست کے تناظر میں انسانی معاشرے کے تمام دائروں کے حوالے سے تعلیم و تربیت کرتی ہیں۔ ہر انسانی معاشرے کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے ایک فکر اور نظریے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قانون، ضابطے اور احکامات کے تعین کی ضرورت ہر انسانی معاشرے کا بنیادی تقاضا ہے۔ معاشرے میں رہنے والے افراد کی شیرازہ بندی اُسی وقت ہوسکتی ہے کہ جب وہ کسی قانون پر متفق ہوں۔ کسی ضابطہ حیات کو اپنے پیش نظر رکھیں۔ اور یہ بات بھی لازمی اور ضروری ہے کہ ہر انسانی معاشرے میں ان قوانین پر عمل درآمد کرنے کی جرأت و ہمت اور مخلصانہ جدوجہد اور کوشش موجود ہو۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ان قوانین و احکامات کی روشنی میں ایک اجتماعی عملی نظام تشکیل دیا جائے۔ شریعت وہ قانون اور ضابطہ ہے جو انسانی معاشروں کی تعمیر و تشکیل کے لیے بنیادی فکر اور نظریے کا تعین کرتا ہے۔ افراد انسانی کے درمیان ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کا ضابطہ حیات واضح کرتا ہے۔ طریقت دین کا وہ شعبہ ہے کہ جو ان قوانین پر عمل درآمد کرنے کی مخلصانہ جدوجہد اور کوشش، اس کی مہارت و صلاحیت اور اپنے مقاصد و اہداف کے ساتھ ایک بہترین کمٹمنٹ پیدا کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا کرتا ہے۔ اور پھر اس صلاحیت و استعداد کی حامل جماعت ان قوانین کی روشنی میں جو عملی نظام تشکیل دیتی ہے، اُسے سیاست کہا جاتا ہے۔ یعنی اجتماعیت کا ایک ایسا جامع پہلو کہ جس میں تمام افراد کی سیاسی اور معاشی نظام میں شراکت ہو۔ دین اسلام کی یہ جامع تعلیمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دین کے اساسی مقاصد میں سے ہیں۔ آپؐ نے انسانیت کو دنیا اور آخرت میں کامیاب بنانے کے قوانین و ضابطے یا شرعی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ آپؐ نے انسانی قلوب کو تعلیم و تربیت اور تزکیے کے مراحل سے گزارنے کے شعبۂ طریقت کی نشان دہی بھی کی۔ اور پھر عملی طور پر آپؐ نے ایک ایسا عالم گیر سیاسی، معاشی اور اجتماعی نظام بھی تشکیل دیا، جو عالمی سطح پر تمام انسانیت کے انسانی مسائل حل کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ گویا کہ یہ ایسا جامع فکر و نظریہ ہے، جسے آپؐ کی سیرت مبارکہ، آپؐ کی جماعت صحابہؓ نے انسانی معاشروں میں غالب کرنے کی جدوجہد اور کوشش کی۔

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ قرآن حکیم کے یہ مقاصد و اہداف صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اس کے بعد کے قریباً ایک ہزار سالہ دور میں انسانیت کے سامنے بطور ہدف موجود رہے ہیں۔ 633ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے قائم کردہ نظام کو صحابہ کرامؓ نے، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے، اس کے بعد کے اولیا مجددینؒ نے ہر دور میں انھیں غالب رکھا۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں، افریقا، ایشیا اور اس دور کے دریافت شدہ ممالک، یورپ کے وہ دور دراز علاقے، جہاں تک دین اسلام پھیلا، ہر جگہ یہ تینوں دائرے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ کبھی انسانی تاریخ میں ایسا نہیں ہوا کہ یہ تینوں شعبے بیک وقت موجود نہ رہے ہوں۔ مسلمانوں کے غلبے کے عالمی دور میں قرآنی مقاصد و اہداف کے یہ تینوں دائرے اپنے اپنے انداز و اسلوب میں آگے بڑھتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض کمزور طبیعتوں نے ان تینوں میں سے کسی ایک شعبے کو اپنایا اور اپنی پوری زندگی اُسی ایک شعبے میں گزار دی۔

شریعت کے رہنما علما ہیں، انھوں نے قانونی مہارتیں حاصل کیں، احکامات مرتب کیے۔ ہر دور کی سوسائٹی کے تقاضے سمجھ کر بائی لاز بنائے اور قانون کی تدوین کی۔ ان کا اوڑھنا بچھونا قانون رہا، لیکن تربیت انھوں نے باقی دو شعبوں کی بھی حاصل کی۔ اسی طرح بعض حضرات جنھوں نے طریقت کے شعبے کو اپنایا، انسانی قلوب کی تربیت، تعلیم، نظریہ سازی، مخلصانہ جدوجہد اور کوشش کے طریقے، انسانی جماعت کے منظم ہونے کی مہارتیں اور صلاحیتیں انسانی قلوب میں منتقل کیں۔ اس کے لیے کردار ادا کیا۔ صوفیائے کرام، علمائے ربانیین نے یہ ایک شعبہ اپنے لیے منتخب کرلیا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ باقی دو شعبوں سے انھوں نے صرفِ نظر کیا۔ اس کی تربیت بھی حاصل کی، ان شعبوں کی نزاکتوں کو سامنے رکھ کر اور ان کے مسائل کا ادراک کر کے تعلیم و تربیت کے انداز و اسلوب بھی اپنائے، اس کے مطابق جدوجہد اور کوشش بھی کی۔ اسی طرح سیاست کے شعبے کے وہ اعلیٰ حکمران جنھوں نے ملکوں اور قوموں کی سیاسی صورت گری میں کردار ادا کیا ہے۔ ہر خطے کے وہ اولوالعزم حکمران جنھوں نے مثالی سیاسی اور معاشی نظام قائم کیے، انھوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ، سیاسی تعمیر و تشکیل میں گزار دیا، لیکن ان کی تعلیم و تربیت میں شریعت کا عمل دخل، طریقت اور تربیت اور تزکیے کے اصول اور ضابطے اُسی طرح کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا کہ شعبہ جاتی تقسیم اپنی جگہ پر، لیکن ان تینوں شعبوں کا مجموعی نتیجہ ہر خطے میں دین اسلام کے بین الاقوامی نظام کی تشکیل کی صورت میں سامنے آیا۔

مسلمانوں پر زوال تبھی شروع ہوا کہ جب انھوں نے ان تینوں میں سے کسی ایک شعبے کو اپنایا اور باقی دو شعبوں کا انکار کیا یا کسی ایک شعبے کا انکار کیا۔ قوموں پر زوال تبھی آتا ہے کہ جب وہ علوم کی تقسیم جو دراصل نسبتی ہوتی ہے، اُسے حقیقی سمجھ کر فرقہ وارانہ گروہیتوں کا شکار ہوجاتی ہیں۔ دنیا میں علوم کی تقسیم ہمیشہ نسبتی ہوتی ہے، پڑھنے پڑھانے یا سمجھنے سمجھانے کے لیے تقسیم کی جاتی ہے۔ ورنہ دنیا کا کون سا شعبہ ایسا ہے، جس میں تمام علوم کی مہارتیں اور صلاحیتیں بروئے کار نہ آتی ہوں۔ اگر کسی جگہ پر فزکس کا کوئی قانون لاگو ہے تو کیمیا کا قانون بھی لاگو ہے، ریاضی کا قانون بھی لاگو ہے۔ اسی طریقے سے وہاں سیاسی مقاصد و اہداف سے متعلقہ قوانین بھی ضرور لاگو ہوں گے کہ اس کا سیاسی استعمال کیسے ممکن ہے۔ اس کے اقتصادی اور معاشی پہلو بھی دیکھے جاتے ہیں، سماجی نقطۂ نگاہ سے بھی اس کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ یہ سب علوم مجموعی طور پر ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے عروج میں زوال بھی تبھی آیا ہے کہ جب ان کو ان تینوں شعبوں، بلکہ ان تینوں شعبوں کی ذیلی شکلیں بھی فرقہ وارانہ گروہیتوں کا شکار ہوگئیں۔ شریعت کے بہت سے گروہ اور فرقے وجود میں آگئے، اور ہر فرقے کی نکتہ آفرینیاں ایک مستقل مذہب اختیار کر کے باقی سوچنے سمجھنے والوں کے ذہنوں پر پہرے بٹھانے لگیں۔ تو یہ جمود کی کیفیت ہے، تنگ نظری کی حالت ہے۔ طریقت کے شعبے کے کسی ایک سلسلے یا ایک طریقۂ تربیت کے حامل لوگوں نے طریقت کے دوسرے سلسلوں پر تنقید کرنے اور ایک محدود سوچ کو پروان چڑھانے کا کام کیا۔ تو وہ تنگ نظری کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یہی حال سیاست کے میدان میں ہوتا ہے کہ جب طوائف الملوکی شروع ہوجائے اور ہر

علاقے کا سیاست دان اپنے علاقے کے مسائل کو ہی عالمی مسائل سمجھنے لگے اور اسی کے تناظر میں ہی باقی تمام اقوام سے کٹ کر علاحدگی کی سوچ اپنا لے، گروہیتیں وجود میں آجائیں اور اجتماعی سیاسی مفاد، اجتماعی معاشی مفاد پیش نظر نہ رہے۔ ہر ایک جاگیردار، وڈیرہ جو کسی معاشی نظام کا حصہ کسی زمانے میں ہوتا تھا، وہ وسائل کا ارتکاز اپنی ذاتی طاقت اور گروہی طاقت کے لیے استعمال کرنے لگ جائے تو یہی وہ تباہی اور بربادی ہے کہ جب معاشرے زوال کا شکار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہزار سالہ غلبے کے بعد آخری زمانے میں یہی خرابیاں دنیا بھر کی اقوام کی طرح ان معاشروں میں بھی پیدا ہوئیں۔ بلند نظری، عقل و شعور کا استعمال، معاملات کو اجتماعی طور پر پرکھنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت، علوم کو باہم مربوط بنا کر انسانی فائدے کے لیے استعمال کرنے کا عمل جمود کا شکار ہو گیا۔

یہی وہ دور ہے کہ جس میں اس برعظیم پاک و ہند میں وہ عظیم مفکرین، مجددین امت پیدا ہوئے، جنھیں اس ہزارۂ دوم کے عظیم مجددین میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام ربانی قطب صمدانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس دور کے وہ مجددین ہیں، جنھوں نے اس پہلو سے اس خطے کے معاشرے کو سمجھا۔ اور قرآنی علوم کی وہ عظیم الشان خدمات سرانجام دیں، جنھوں نے اس خطے میں از سر نو دین کے غلبے کے عالم گیر فکر اور نظریے کا شعور بخشا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پہلے آخری زمانہ وہ ہے کہ جب شریعت کے مختلف گروہ اور فرقے، محدثین کے مختلف طبقات، اسی طریقے سے صوفیا کے بہت سے طرق، سیاست کی طوائف الملوکی اور اس کا انتشار اور اس نے پوری سوسائٹی میں رجعت پسندی، فرسودگی، زوال کی حالت پیدا کر دی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ وہ عظیم آدمی ہیں کہ جنھوں نے ان تینوں شعبوں کی جامعیت کے تناظر میں انسانی معاشرے کی تعمیر و ترقی کے قرآنی اصول اور ضابطے واضح کیے۔ مجدد الف ثانیؒ سے پہلے علمائے شریعت ہیں تو وہ طریقت اور سیاست کے منکر ہیں۔ طریقت کے صوفیا ہیں تو وہ شریعت اور سیاست کا انکار کرتے ہیں۔ سیاست کے حکمران طبقے ہیں، جو شریعت کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں اور طریقت کے اصول تزکیہ اور اخلاقیات کے ضابطوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ایسے ماحول میں حضرت مجدد صاحبؒ نے اس خطے میں قرآنی تعلیمات کے ان تینوں شعبوں کو زندہ کیا۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے زمانے میں ایک اور شخصیت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی بھی تھی، جنھوں نے علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے کا انداز و اسلوب اختیار کیا، لیکن انھوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ صرف شریعت اور طریقت کے شعبوں کو اپنے پیش نظر رکھیں گے۔ سیاست میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے اور شریعت میں بھی وہ طریقہ، جو قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ جزوی فقہی تعلیمات کی اساس پر، ضمنی بائی لاز کی بنیاد پر جو اس برعظیم پاک و ہند میں پرانا قانونی ڈھانچہ رہا ہے، اس کے تناظر میں پڑھنے پڑھانے کا عمل شروع کیا۔ اور طریقت میں ایک شعبہ، خاص طور پر قادریہ سلسلہ، کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے شریعت اور طریقت کے ذیلی اور ضمنی تلازم پر توبات کی لیکن سیاست کے شعبے کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ وہ شخصیت ہیں کہ جنھوں نے تینوں شعبوں کی جامعیت کو پیش نظر رکھ کر جدوجہد اور کوشش کی۔

اس برعظیم پاک و ہند میں خاص طور پر سیاست کے زوال کو روکنے، سیاسی شعور کو پیدا کرنے کا سب سے پہلا عمل حضرت مجدد صاحبؒ نے شروع کیا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ شریعت میں فقہ حنفی یا اُس دور کی قانونی تعلیمات کا ایک حنفی مکتبِ فکر ہی نہیں، بلکہ امام شافعیؒ کے فکر اور اُن کی فقہی تعلیمات کو بھی سامنے رکھ کر قرآنی خدمات کے فروغ کے لیے کردار ادا کیا۔ اور یہی حال حضرت مجدد الف ثانیؒ نے طریقت کے شعبے میں کیا کہ کسی ایک سلسلۂ طریقت ہی کو نہیں، بلکہ طریقت کے جتنے بھی سلسلے تھے قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ، نقشبندیہ، ان کی جامعیت کی اساس پر انسانی قلوب کی مہارتوں اور صلاحیتوں، تعلیم و تربیت کے اہتمام کا آغاز حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا۔ آپؒ کا بنیادی کام اگرچہ تصوف اور طریقت کے میدان میں ہے، لیکن سیاست کے میدان میں بھی سیاسی بیداری پیدا کی۔ خاص طور پر یہاں کے حکمران طبقوں میں قرآنی علوم کی اساس پر سیاسی تعلیم و تربیت کی بیداری کا عمل بھی مجدد صاحب نے شروع کیا۔

اس کام کا آغاز حضرت مجدد صاحبؒ سے شروع ہوتا ہے اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس کی تکمیل کی ہے۔ انھوں نے وسیع دائرے میں آگے بڑھ کر شریعت کے احکامات میں تمام فقہی مذاہب، صرف فقہ حنفی نہیں، فقہ شافعی، مالکی، حنبلی، ان تمام کی جامعیت کی اساس پر شریعت کے قرآنی ضابطے واضح کیے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے واضح کیا کہ جتنے بھی مجتہدین ہیں، یا تابعین یا تبع تابعین ہیں، مرکزی حیثیت ان لوگوں کی نہیں ہے۔ مرکزی حیثیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعتِ صحابہؓ کی ہے۔ اور جماعتِ صحابہؓ کا بھی وہ دور جو حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے زمانے تک، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ انقلابی جماعت کے تیس چالیس سالہ دور کی جو خصوصیات ہیں، اس دور کا جو قانونی ضابطہ اور شرعی احکامات ہیں، جماعتِ صحابہؓ نے جو قانون سازی کی ہے، وہ اصل بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ چاروں فقہیں دراصل صحابہؓ کی اس جماعت کے اجتماعی اجتہاد اور اس کے قانونی ضابطے کے ذیلی اجتہادات پر مشتمل ہیں۔ اور خلافتِ راشدہ کے اس دور میں بھی مرکزی شخصیت، جنھوں نے سب سے پہلے علوم قرآنی کی اساس پر انسانی معاشرے کا نظام تشکیل دیا، وہ فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ کیوں کہ ان کا دس بارہ سالہ دور وہ ہے کہ جب بین الاقوامی سطح کا عالمی نظام قرآنی فکر و عمل کی اساس پر تشکیل پذیر ہوا ہے۔ قرآن کے سب سے پہلے اور اوّلین شارح، جنھوں نے مشکوٰۃ نبوت، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اقدس سے براہ راست فیض بھی حاصل کیا، اس جماعت نے جس تناظر میں قرآن کو سمجھا، اس کا عملی نظام بنایا، اس کی بنیادی تعلیمات واضح کیں، وہ اس جماعتِ صحابہؓ کے علاوہ کوئی اور جماعت نہیں۔ اور اس جماعت کے بارے میں بھی حضور اقدسؐ کا یہ ارشاد ہے:

”لو کان بعدی نبیًّا لکان عُمر.“ میرے بعد اگر منصب نبوت جاری رہتا تو ضرور عمر فاروقؓ کو ملتا۔ عمر فاروق وہ اولوالعزم آدمی ہیں، جن کو ”مُحَدَّث“ کہا جاتا ہے، یعنی جن پر نبی کی طرح وحی تو نہیں آتی، لیکن الہام، کشف یا ملاء اعلیٰ کے ساتھ ربط کی بنیاد پر علوم فوج در فوج ان کے قلب پر نازل ہوتے ہیں۔ یعنی ان کا نفس اور قلب ملاء اعلیٰ کے ساتھ گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ”مُحَدَّث“ بات کیا ہوا، یعنی جس سے ملاءِ اعلیٰ میں گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ تو عمر فاروقؓ وہ آدمی ہیں کہ جنھوں نے علوم قرآنیہ کے تمام شعبوں میں عملی نظام تشکیل دیے۔ تو شریعت کے فقہی احکامات کی اصل بنیاد حضرت عمر فاروقؓ نے رکھی۔

علوم قرآنیہ اس وقت تک نہیں سمجھے جا سکتے، قرآن حکیم کا صحیح فہم اس وقت حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس سسٹم کو نہ سمجھا جائے، جو عمر فاروقؓ نے بنایا۔ اسی لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خلافتِ راشدہ کے اس پورے عمل کو سمجھانے کے لیے بڑی زبردست کتاب ”إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء“ لکھی ہے، تاکہ خلافتِ راشدہ کے مخفی گوشے انسانیت کے

سامنے آئیں۔ محض چار حضرات کے نام یاد کر لینا اور محض ان سے رسمی عقیدت کا اظہار کر لینا کافی نہیں۔ انھوں نے کیا کام کیے؟ بین الاقوامی سطح پر سسٹم تشکیل دینے کے لیے کون سے بنیادی اقدامات اٹھائے، جو اَب تک پردۂ خفا میں ہیں، یا جو لوگ خلافتِ راشدہ کے اس سسٹم کو نہیں سمجھتے، اور طرح طرح کے شکوک وشبہات یا سوالات قائم کرتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے ان کے جوابات دیے ہیں۔ اور پھر واضح کیا کہ شریعت کی قانون سازی کا بنیادی عمل اور اس کے فقیہ اعظم اور اس کے مجتہدِ مطلق دراصل حضرت فاروق اعظمؓ ہیں۔ ''فقہِ عمر'' کے نام سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''اِزالۃ الخفاء'' میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اور یہ بات واضح کی ہے کہ جن قوانین اور ضابطوں پر حضرت عمر فاروقؓ یا خلافتِ راشدہ کے زمانے میں اتفاق ہوا، ان چاروں مجتہدین مطلق نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اور باقی جتنے بھی فرقے یا فقہی مکاتبِ فکر ہیں، چوں کہ وہ قرآن کو ماننے والی پہلی انقلابی جماعت کی قانون سازی کو نہیں مانتے، اس لیے وہ دراصل علوم قرآنیہ کا صحیح فہم بھی نہیں رکھتے۔ وہ اس دائرے سے خارج ہیں۔ انقلاب برپا کرنے کے لیے پہلی انقلابی جماعت کی پالیسیز، اس کے قوانین، اس کے ضابطے، اس کے بنائے ہوئے سسٹم کو سمجھنا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تو یہ چاروں فقہا، جنھوں نے دراصل اُس فاروقی شریعت یا فاروقی قانون سازی کی اساس پر اگلے دور کی ضروریات اور تقاضوں کے تناظر میں نئے بائی لاز، اس کے سسٹم، اس کے باقاعدہ اصول فقہ مرتب کیے کہ یہ اخذ واستنباط کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اور ان میں بھی امام اعظم امام ابوحنیفہ وہ اولوالعزم مجتہد ہیں کہ جنھوں نے اس پورے عمل کو ایک باقاعدہ سائنٹیفک قانونی نظام میں مربوط بنا دیا۔ فقہی اصول اور ضابطے مرتب اور مدوّن کر دیے۔ پورے قرآن حکیم اور ذخیرۂ حدیث کا مطالعہ کر کے قرآن انسانی معاشرے کی تشکیل کے جو اجتماعی قوانین اور ضابطے بناتا ہے، اس کی ایسے انداز میں وضاحت کی کہ ہر دور کا مجتہد ان اصولوں اور ضابطوں کو سامنے رکھ کر اپنے دور کے ضمنی بائی لاز بنا سکتا ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے اصولی اور کلی قاعدے اور ضابطے قرآن کی مجموعی تعلیمات سے اخذ کر کے مرتب اور مدوّن کر دیے۔ چند سو اصول اور بنیادی قوانین اور ضابطے ہیں، جو امام ابوحنیفہؒ نے مرتب اور مدوّن کر دیے ہیں۔ پوری شریعت ان دائروں سے باہر نہیں۔ اب پیداواری رشتے کسی دور کے زرعی بنیادوں پر ہوں تو بائی لاز ویسے بنائے جاسکتے ہیں۔ تجارتی بنیادوں پر باہمی سماجی رشتے ہوں، سوسائٹی کا سماجی تعامل ہو تو اُن اصولوں اور قانون کی روشنی میں، اُس دور کے بائی لاز اور ضمنی قوانین بنائے جاسکتے ہیں۔ اور اگر صنعتی دور یا الیکٹریکل دور یا ڈیجیٹل دور آگیا، تو اُن بنیادی قوانین اور قواعد کو سامنے رکھ کر اپنے دور کے بائی لاز بنا لیے جائیں۔ ضمنی قوانین کو اصل قرار دے دینا، یہ دراصل فقہی ارتقا کے راستے میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ اور شریعت کے بنیادی قوانین اور ضابطوں کو محدود بنا دینا ہے۔ اس ضمن میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس بات کو بھی واضح کیا کہ اصل بنیاد اور ضابطہ وہ ہے، جو ان فقہا اور خاص طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مرتب اور مدوّن کر دیا۔ باقی تو ہر دور کی ضروریات کے مطابق ذیلی اور ضمنی قوانین اور تخریجات ہیں، وہ تغیر وتبدل کے مراحل سے سوسائٹی یا زمانے کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فقہی قوانین میں تخریج در تخریج کے طریقے کو پسند نہیں کرتے۔

اسی طریقے سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمت یہ بھی ہے کہ انھوں نے قرآن حکیم کے مجموعی مطالعے کی روشنی میں طریقت کے تمام شعبوں اور سلسلوں کو مربوط انداز میں سمجھنے کا شعور دیا۔ اور مشہور سلسلے چار ہی ہیں قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ۔ خدا پرستی اور انسان دوستی کے عمل کو فروغ دینے، قلبی مہارت اور اللہ سے تعلق حاصل کرنے کے لیے یہ چار سکول آف تھاٹ ہیں۔ اب ان چاروں کے بارے میں بھی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے یہ بات واضح کی کہ جنید بغدادیؒ یا شیخ سہروردی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی، یا خواجہ مودود چشتیؒ یا خواجہ نقشبند، یہ دراصل جو اپنے اپنے سلسلوں کے بانی ہیں، یہ مجتہدین مطلق نہیں ہیں، بلکہ یہ عمر فاروقؓ کے جاری کردہ سلسلۂ طریقت کے مجتہدین منتسب ہیں۔ یعنی اسی کے ذیل میں قانون سازی کرنے والے ہیں۔ اصل بنیادی چیز خلافتِ راشدہ کے زمانے میں متعین ہوگئی۔ چناں چہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طریقت کے شعبے میں جو بنیادی قانون سازی کی، تعلیمات مرتب کیں، تو تصوف عمر یا طریقتِ عمر کے حوالے سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک مستقل رسالہ ''إزالة الخفاء'' میں لکھا۔ اور واضح کیا کہ انسانی قلوب کو اللہ سے جوڑنے کے لیے جن بنیادی اقدار واَخلاق کی ضرورت ہے، اس کا تعین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ہو چکا ہے۔ اور وہ قرآن سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح انسان دوستی کے تناظر میں ایک انسانی قلب میں کون کون سے بنیادی اَخلاق واقدار پیدا ہونے چاہئیں، سیاسی تشکیل، معاشی تشکیل، اجتماعی تشکیل کے حوالے سے انسان دوستی کی کون سی اقدار ہیں، جو طریقت کے نقطہ نگاہ سے انسانی قلوب میں منتقل ہونی چاہئیں، اسے بھی مرتب اور مدوّن کر دیا۔ دراصل اسی کا ارتقائی عمل، جس کو تصوف کے مقنن اعظم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے کیا۔ اور اسی کی ارتقائی شکل، جس کو ایک انسانی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے سلسلۂ قادریہ جاری کیا۔ دوسرے انسانی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے سہروردی سلسلہ جاری کیا۔ اور تیسرے انسانی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ نے چشتی سلسلہ جاری کیا۔ اور چوتھے انسانی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے خواجہ نقشبندؒ نے نقشبندی سلسلہ جاری کیا۔

یہ تینوں چاروں انسانی مزاجوں کی بنیاد پر تربیت کے چار پانچ طریقے ہیں۔ پانچواں طریقہ حضرت نجم الدینؒ کبریٰ کا سلسلۂ کبرویہ بھی بتایا جاتا ہے۔ تو یہ تمام سلاسل، ان میں کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے۔ جیسے مختلف سکولوں سے پڑھنے والے کا آخری نتیجہ انجینئر بننا ہے، ڈاکٹر بننا ہے۔ تعلیم کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک کو ایک انداز میں بات کو اچھے طریقے سے سمجھانے کا سلیقہ آتا ہے اور وہ اس تناظر میں بات کو صحیح سمجھ سکتے ہیں، دوسرا دوسرے انداز میں سمجھتا ہے، لیکن آخری نتیجہ خدا پرستی اور انسان دوستی کا ہے۔ علوم قرآنیہ کا یہ ایک اہم ترین شعبہ ہے، جو یزکّیھم کی بنیادی تعلیم کی اساس پر فروغ پذیر ہوا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات کا اہم ترین عمل یہ ہے کہ چاروں سلاسل، بلکہ تمام سلاسل کی جامعیت کی اساس پر وہ انقلابی طریقہ، جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جاری کیا، اس پر عمل کر کے گروہیتوں کو ختم کیا، تنگ نظری اور فرقہ وارانہ طریقت کے تضادات اور ٹکراؤ کی بنیاد پر جو لڑائی بھڑائی کا عمل تھا، اس کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ختم کیا اور جو بنیادی اصول وضابطے تعلیم وتربیت کے ہیں، وہ مرتب اور مدوّن کر دیے۔ یہ مجددی ولی اللّٰہی سلسلے کی خصوصیت ہے۔

اسی طریقے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس بات کو بھی واضح کیا کہ قرآن کا عملی سیاسی اور معاشی نظام بھی سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعتِ صحابہؓ نے

قائم کیا۔ اور وہ خلفائے راشدین کے دور میں ہوا۔ اور اُس کا زیادہ تر حصہ عملی نظام بنانے کی صورت میں حضرت عمر فاروقؓ نے کیا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں ایک تیسرا رسالہ، جو حضرت عمر فاروقؓ کی سیاسی حکمت کے بیان میں ہے۔ اس رسالے میں حکمت کے چھوٹے چھوٹے جملے، سیاسی ﷺ، افراد کی شیرازہ بندی کرنے کے نظم وضبط کے اصول اور ضابطے بیان کیے ہیں۔ انسانی نفسیات کو سمجھنے، مینجمنٹ کے اصولوں کو جاننے، افراد کو اکٹھا کرنے، ان کی سیاسی ضرورتوں کو پورا کرنے، ان کے معاشی مسائل کے حل کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی شکل میں موجود ہیں۔ جو عمر فاروقؓ کے ان تمام سلسلوں کو جمع کر کے سیاست اور حکمتِ عمر کے نام سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اُسے بھی مرتب کر دیا کہ دینی سیاست کی اساسیات یہ ہیں۔ قرآنی علوم کے سیاسی اور معاشی اصول اور ضابطے، اجتماعی اور سماجی اصول اور ضابطے یہ ہیں۔ بعد کے جتنے بھی ادوار ہیں، چاہے خلافتِ راشدہ کا دور ہو، بنواُمیہ، بنوعباس اور بنوعثمان کا دور ہو، یا ہر بدلتے دور میں ہر خطے میں سیاست دانوں نے دین اسلام کی سیاسی تعلیمات کے مطابق اپنے اپنے دور کے سیاسی نظام ہائے حیات تشکیل دیے ہوں، اُن تمام کا مرکز ومنبع یہ ہے۔ اب اس کی اساس پر وہ تضادات حل کیے جاسکتے ہیں، جو مختلف سطحوں پر سیاست دانوں کے رویوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں جو تقسیم در تقسیم کا عمل یا گروہتیں پیدا کرنے کا عمل کر دیا گیا، تنگ نظری پیدا کر دی گئی، جمود پیدا کر دیا گیا، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس تمام کا خاتمہ ایک سائنٹیفک انداز و اسلوب کے ساتھ دینی نظام کو مرتب اور مدوّن کر دیا کہ یہ وہ بنیادی اساسی اصول ہیں، جس کو سامنے رکھ کر ہر دور کے سیاسی معاشی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ انسانی جبلتیں نہیں بدلی جاسکتیں، سماجی رشتے بدلتے ہیں۔ جدید اور قدیم میں کیا فرق ہے۔ جدید اس زمانے کو کہتے ہیں کہ جس زمانے میں نئے پیداواری رشتے آگئے ہوں۔ کیا انسان نے جدید دور میں کھانا پینا چھوڑ دیا؟ مل جل کر رہنا چھوڑ دیا؟ معاملات اور معاہدات کرنے چھوڑ دیے؟ نہیں! وہ اس طریقے سے موجود ہے، لیکن وہ کس انداز واسلوب میں ہونے چاہئیں، کیا حسد، کینہ، بغض، عداوت، ظلم، انسان دشمنی، انسانوں کو تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچانے کی اساس پر ہونے چاہئیں یا اس کے مقابلے پر سخاوت، عفت، عصمت، صبر، استقامت، انسانی بھلائی، خیر خواہی، عدل وانصاف، انسانی حقوق کی ادائیگی کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔ تو زمانہ بدلنے کا مطلب دور کے پیداواری رشتوں کا بدلنا ہے۔ عصری تقاضوں کا نیا تناظر، نیا منظر نامہ، انسانیت کی بنیادی ضرورتوں اور تقاضوں کو نہیں بدلتا ہے، وہ دراصل عصری تقاضے، وہ چیزوں کو زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ارتفاقات کے نئے پہلو دریافت ہونے کی شکل میں اُس کی جو نئی شکلیں سامنے آتی ہیں، اسی کا نام عصر جدید ہے، اسے عصر حاضر کہا جاتا ہے۔ تو شاہ صاحب نے ہر دور میں سیاست کے شعبے کے بنیادی اصول اور ضابطے متعین کر دیے۔ ولی اللّٰہی جماعت کی خدمات کا یہ بڑا پہلا بنیادی دور ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن حکیم کے فہم اور اس کو درست تناظر میں سمجھنے کے لیے یہ بات متعین کی کہ قرآن کو قرآنی نقطہ نگاہ سے سمجھنے کی سب سے پہلے کوشش کی جائے۔ اس پچھلے ہزار گیارہ سو سالہ دور میں جتنی تفسیریں لکھی گئی ہیں، پہلے مرحلے میں مطالعے کے پہلے انداز و اُسلوب کو ایک طرف رکھ دیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہر تفسیر نے اپنے دور کے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر قرآن فہمی کا ایک انداز واسلوب متعارف کرا دیا۔ گویا کہ وہ اپنے دور کے بائی لاز بیان کرتی ہے۔ اپنے دور کے تقاضوں کے تناظر میں گفتگو کر رہی ہے۔ اُس مفسر کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے آفاقی اصول اس کے اپنے دور میں انسانوں کو سمجھ میں آجائیں۔ مثلاً امام رازیؒ ہیں، جن کے زمانے میں یونانی فلسفے کا عروج تھا، علمی مزاج، علمی سانچے اس یونانی علوم وفنون کے اندر ڈھلے ہوئے تھے۔ اب وہاں قرآنی علوم کے سمجھنے سمجھانے کے لیے جب تک وہ انداز نہ اختیار کیا جائے، تو بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس دور کے اہل علم کو سمجھانے کے لیے رازیؒ نے مثلاً ایک طریقہ اختیار کیا، ابن کثیرؒ نے ایک طریقہ اختیار کیا، قرطبیؒ نے ایک طریقہ اختیار کیا۔ اسی طرح دیگر مفسرین ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ آج چودہ سو سال بعد یا اس کے چھ سو سال بعد بھی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانے میں انسانوں کے سمجھنے سمجھانے کا علمی اُسلوب یا عصری تقاضے یا لوگوں کے فہم اور تفہیم کا عقلی دائرہ اسی تناظر میں ہو، جس تناظر میں رازیؒ کا انداز واسلوب ہے۔ اب ہوگا کیا کہ اگر رازیؒ کی تفسیر کو لازم بنا دیا جائے، قرآن کا حصہ بنا دیا جائے، تو آپ جب تک وہ علوم وفنون، جو فرسودہ ہو چکے، تجربات کی روشنی میں اُن کے بہت سے نظریات فنا کی گھاٹ اُتر چکے، پہلے انھیں پڑھو، پھر تفسیر رازیؒ سمجھو، پھر قرآن سمجھ میں آئے گا۔ تو یہ عجیب چکر ہے۔ آج کا سانچہ بدل چکا، آج کی علمی دنیا نئے انداز واسلوب اور نئے پیداواری رشتوں کے تناظر میں آگئی، اور یہاں ابھی بھی بیضاوی پڑھائی جارہی ہے، جس کا سانچہ ایک دوسرے دور کے تقاضے کے مطابق ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "الفوز الکبیر فی اصولِ التفسیر" میں یہ بات طے کر دی کہ قرآن کے مطالعے کے وقت ان تفسیروں سے قطع نظر قرآن کو پڑھو کہ قرآن کے آفاقی اصول کیا ہیں، قرآن کی ہر آیت اور قرآن کی ہر سورت کس بنیادی موضوع کو سامنے رکھ کر، کون سے بنیادی اساسی اصول متعین کر رہی ہے، قوانین شریعت کے بیان کرنے میں، قوانین طریقت کے واضح کرنے میں اور قوانین سیاست یا اصول سیاست اور سماجیات اور معاشیات کے واضح کرنے میں۔ نص کیا کہہ رہی ہے؟ اُس نص کی عبارت النص، اس کی اشارۃ النص، اس کی اقتضاء النص، اس کی دلالت النص کیا بنیادی اصول بیان کر رہی ہے؟ بس! اور قرآن فہمی کا یہ وہ بنیادی انداز واُسلوب اور فہم ہے، جس نے اگلے دور میں قرآن حکیم کے سمجھنے کو آسان بنایا اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں ہر دور کے تقاضوں کے حل کرنے کی عقل اور شعور دیا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں اصول تفسیر مرتب کیے۔ ہزار سالہ پورا دور تفسیروں کا، قرآن کے ترجموں کا، قرآنی خدمات کا، اس کی شریعت اور قوانین کے ضابطوں کی تشکیل کا، اس کے طریقت اور تزکیے کے قوانین اور ضابطوں کا، اس کے سیاسی معاشی اصولوں کا خلاصہ سامنے رکھ کر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اصول تفسیر کی تجرید کی اور جو معروضی تناظر میں ہر دور کی کچھ خصوصیات ان قوانین کے ساتھ وابستہ ہوگئی تھیں، ان کو الگ کر دیا۔ پورے ذخیرۂ فقہ، ذخیرۂ تصوف وطریقت اور ذخیرۂ سیاست ومعیشت کے جو اصول اور ضابطے ہیں، ان تمام کا جائزہ لے کر بنیادی اصول اور ضابطے، جو قرآن کی نصوص سے ثابت شدہ ہیں، ان کو متعین اور مرتب کر دیا۔ یہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات کا اہم ترین پہلو ہے۔ الفوز الکبیر اس کے بغیر سمجھ نہیں آتی۔ جو لوگ پُرانے تاریخی ملبے کو سامنے رکھ کر الفوز الکبیر سمجھنا چاہتے ہیں، وہ کسی فرسودہ دنیا میں رہتے ہیں۔ وہ رجعت پسندی کے دائرے سے نکلنا نہیں چاہتے۔ وہ دراصل اپنی ذہنی ساخت کے جو پُرانے جالے بنے ہوئے ہیں، اُن کے اندر رہ کر اصول سمجھنا چاہتے ہیں، اس لیے شاہ صاحبؒ کی بات انھیں اجنبی لگتی ہے۔ سمجھ میں ہی نہیں آتی، کیوں کہ ان

کا علمی سانچہ، اُن کا جو پچھلا دائرہ ہے، اس کے سبب جمود اور تنگ نظری، اُس فرقہ پرستی، اُن اجتماعی تقاضوں کے دائروں سے اوپر اُٹھ کر معاملات کو دیکھنا ہی نہیں چاہتے، جو فرسودہ دور کے تناظر میں ان کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ ہمارا عام مذہبی طبقہ پانچ چھ سو سال، ہزار سال پہلے کی کتابوں کے تناظر میں اُس دور کے سماجی دور میں، اُس دور کے سماجی حالات میں زندہ رہتا ہے۔ وہی پڑھتا پڑھاتا ہے، اُسی انداز میں سوچتا ہے، اُسی تناظر میں آگے بڑھتا ہے تو بنیادی دینی اصول اور ضابطے غتر بود ہو جاتے ہیں اور وہ جو بائی لاز اور ضمنی تخریجات ہیں، اُس کی بھول بھلیوں میں مبتلا ہے۔ آج کے نام نہاد جتنے مفتی اعظم اور شیخ الاسلام بنے ہوئے ہیں، اُن کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اُن بائی لاز اور ضمنی تخریجات کے دائروں سے باہر نہیں نکلتے۔ اور جو قرآن کے بنیادی اساسی اصول اور ضابطے ہیں، ان کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہتے۔

یہی حال طریقت کے شعبے کا ہے کہ رسمی طور پر کون ہیں؟ جی قادری ہیں، کون ہیں جی چشتی ہیں، کون ہیں جی سہروردی اور نقشبندی ہیں، کون سے اسباق ہیں، وہ جو ایک دور کے لیے اُس دور کے بزرگوں نے کوئی دس بارہ اسباق مرتب کیے تھے کہ گردن یوں گھماؤ اور یوں گھماؤ اور یوں مراقبہ کرو اور یوں کرو، وہ کرو، کوئی اُلٹا لٹک کر، کوئی سیدھا بیٹھ کر وہ سارے سانچے موجود ہیں، لیکن طریقت کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں سالک کے نفس، قلب اور عقل میں جو صلاحیت و استعداد پیدا ہونی چاہیے اور اپنے دور کی سرمایہ پرستی کے مقابلے پر جو مزاحمتی شعور پیدا ہونا چاہیے، وہ غائب ہے۔ رسومات ہیں، رسومات کی بنیاد پر خانقاہیں ہیں، آستانے ہیں، عرس ہیں، دھمال ڈالنے کا کام ہے، محض کھانے پینے حلوے مانڈے کے طریقے ہیں، لیکن جو بنیادی روحِ تصوف ہے، وہ غتر بود ہے۔ خدا پرستی اور انسان دوستی، جس کے لیے ان کی تعلیمات نے تعلیم و تربیت کی اہمیت دی تھی، وہ پیش نظر نہیں۔

یہی حال سیاست کے میدان میں ہے کہ آج اس ڈیجیٹل دور میں بھی سیاست کی اُن بھول بھلیوں کی کہانیاں سنائی جا رہی ہیں، جو کسی زرعی دور کے تناظر میں اُس دور کے تقاضوں کے تناظر میں مرتب اور مدوّن کی گئیں۔ آج اسی ڈیجیٹل ایج میں کسی خطے کو پچھلے ہزار سال پُرانے دور کی طرف لے جا کر خود ساختہ کوئی اسلامی عمارت قائم کر لی جائے، امیر المؤمنین کا کوئی خود ساختہ تصور پیدا کر لیا جائے، اور تمام تر پیداواری رشتوں، سیاسی تقاضوں، معاشی تناظر، علاقائی تعلقات، سیاسی اور معاشی تناظر کو نظر انداز کر کے خود ساختہ اصول اور ضابطے، جو کسی فرسودہ دور کی یادگار ہیں، ان کو اسلام کے نام پر کسی سوسائٹی پر مسلط کر دیا جائے، انسانی دل و دماغ پر انھیں رجعت پسندی کے تمام دائرے مسلط کر دیے جائیں اور کہا جائے کہ ہم اسلام نافذ کر رہے ہیں۔ یہی وہ غیر حقیقت پسندانہ تصورات ہیں، جو دراصل سوسائٹی کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں۔

قرآن حکیم کو ولی اللّٰہی اسلوب پر سمجھے بغیر عقل و شعور کی بلندی پیدا نہیں ہو سکتی۔ شریعت کے بنیادی قوانین اور ضابطوں کا فہم، جس سے کسی دور کے سیاسی، معاشی اجتماعی تقاضوں کی تکمیل ممکن ہو، نہیں ہو سکتی، جب تک کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے اس فکر و عمل کو تحقیقی نقطہ نگاہ سے نہ سمجھا جائے۔ یہی حال تصوف اور طریقت کا ہے، یہی حال سیاست کے شعبے کا ہے، یہی حال قانونی احکامات اور شریعت کے بنیادی ضابطوں کے سمجھنے کا ہے۔ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے لے کر امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ، جس میں مجددی سلسلے کے اولوالعزم لوگ، خود حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، ان کے صاحبزادگان؛ حضرت خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ اور خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ اور پھر ان سے آگے جو سلسلۂ نقشبندیہ یا مجددیہ چلا، یا اسی طریقے سے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے اولوالعزم جانشین سید آدم بنوری رحمہ اللہ اور پھر ان کے دو اولوالعزم تربیت یافتہ خلفا حضرت سید عبداللہ اکبر آبادی رحمہ اللہ اور شاہ حبیب اللہ پشاوری رحمہ اللہ، یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اگلے دور میں مجددی سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اور سید عبداللہ اکبر آبادی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور جانشین حضرت الامام شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ ہیں، جو امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے والدِ گرامی ہیں، جہاں سے اُن تک مجددی سلسلے کا فیض پہنچا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عام تفسیروں سے ہٹ کر قرآن حکیم کا ترجمہ فتح الرحمٰن کے نام سے کیا اور متن قرآن کے مفہوم کلّی کا وہ جامع ترجمہ، جو بنیادی قوانین اور ضابطوں کی تشریح اور وضاحت کرتا ہے، اس کا تعین کیا۔ اور حواشی میں ہر آیت سے جو قانونِ کلی ظاہر ہوتا ہے اسے لکھ دیا، گو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ کام چند آیات پر کیا ہے، لیکن جو قانونِ کلی واضح ہوتا ہے، وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حاشیے میں مرتب اور مدوّن کر دیا۔ اور پھر "المقدمه فی قوانین الترجمه" کے عنوان سے ترجمے کے قوانین پر ایک مقدمہ اور اصولی قانون اور ضابطہ مرتب کر کے قرآنی حکیم کے ترجمے کے اصول اور ضابطے مرتب کر دیے۔ اور واضح کر دیا کہ ترجمہ اصولی طور پر کیسے کیا جاتا ہے۔ اس کو خارجی اثرات سے ہٹا کر محض عبارت، جو قرآن کی آیت یا نص ہے، اس کے مفہوم کلی کے تناظر میں پورا پورا ترجمہ کرنا کیوں کر ممکن ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ قرآن کیا، ترجمے کے اصول اور ضابطے اور قرآن فہمی کے بنیادی اصول اور ضابطے مرتب کیے اور پھر الفوز الکبیر کے عنوان سے اصول تفسیر مدوّن کیے۔ الفوز الکبیر پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اُن میں بنیادی طور پر قرآن فہمی کے اسلوب، اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھنے کا عمل، اس کے وہ پہلو بھی، جو چودہ سو سال سے لوگوں کی نظروں میں نہیں تھے، ان کو بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے زیر بحث لا کر کھول کر رکھ دیا۔ مثلاً حروف مقطعات، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کے بھی اصول اور ضابطے مرتب کر دیے کہ اس کو کیسے سمجھا جائے۔ اس کا فہم کیسے حاصل ہو۔ اس طرح قرآن حکیم کے تمام پہلوؤں کا ایک جامع مطالعہ الفوز الکبیر کی شکل میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے مرتب کیا۔ اب جب تک یہ تناظر نہ ہو تو الفوز الکبیر درست طور پر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ جس نے الفوز الکبیر یا اصول تفسیر یہ سمجھ لیے تو گویا کہ اس کے پاس قرآن فہمی کی چابی آ گئی۔ وہ بنیادی اساسی اصول سامنے آ گئے۔

قرآن حکیم سمجھنے کے لیے جو لوگ اپنے آپ کو تیار کریں، ان کے لیے ضروری ہے کہ اس ولی اللّٰہی قرآنی خدمات کے اس دور کا کم از کم اجمالی مطالعہ ان کے سامنے ہو۔ کہ یہ وہ بنیادی چیزیں ہیں، جو دراصل ہر دور میں قرآنی تعلیمات کے تناظر میں ایک سوسائٹی کی تشکیل کے لیے رہنمائی دیتی ہیں۔ دورۂ تفسیر پڑھنے والے لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس ولی اللّٰہی سکول آف تھاٹ، شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس نقطہ نگاہ کو، جو دراصل قرآن فہمی کا ولی اللّٰہی مجددی طریقہ ہے۔ اس کے بنیادی اساسی اصول سمجھیں اور اس تناظر میں کم از کم اس کی اہمیت جانچیں اور پرکھیں کہ اس دور میں، جب کہ نئے پیداواری رشتے، نئے تقاضے، نیا سیاسی معاشی ڈھانچہ، عصر حاضر کے نئے تقاضے سامنے آ رہے ہیں، اس تناظر میں قرآن کی یہ تعلیمات ہماری کیا رہنمائی کرتی ہیں۔ اور ہم ان تعلیمات کی روشنی میں، اس ولی اللّٰہی فکر کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کو کیسے حل کر سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اس جامع تعلیمات کا شعور ہی دراصل دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ولی اللّٰہی فکر و تعلیمات کے تناظر میں قرآن حکیم کو سمجھنے، اس کے مطابق عمل کرنے، اپنی عقل و شعور کو بڑھانے اور جدوجہد اور کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

تعزیتی تأثرات

از مولوی سعد احمد خان کراچی

ایک ولی کی آغوش میں 2

(حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ؛ یادیں، تأثرات)

آپؒ کی صحبت میں گزرنے والے لمحات

احقر کو حضرتؒ جی کی سب سے پہلی زیارت دس سال کی عمر میں 2000ء میں ہوئی، جب قرآن مجید مکمل کیا۔ حضرتؒ جی نے دستار بندی بھی فرمائی تھی۔ اس وقت تو کچھ اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی، لیکن حضرتؒ جی کے شفقت کے عالم کا کیا کہنا؛ بس اپنا گرویدہ بنالیا۔ اور ہر سال حضرتؒ جی تقریب تکمیل قرآن مجید پر جامعہ شیرازیہ کراچی تشریف لاتے تو اکثر ہمارے اساتذہ حضرتؒ جی کی خدمت میں ہماری ڈیوٹی لگاتے۔ پھر کبھی کبھی عزیز منزل کراچی جہاں حضرتؒ جی کا مستقل قیام ہوتا، وہاں سیمینارز وغیرہ ہوتے تو وہاں جانا ہوتا تو حضرتؒ جی کی زیارت کا شوق رہتا۔ اس طرح 2003ء میں پہلی بار بیعتِ توبہ کی اور پھر حضرتؒ جی کے پاس وقت لگانے کا ہر وقت ایک شوق سا لگا رہتا۔

چناں چہ جب میٹرک وغیرہ کرلیا اور جامعہ شیرازیہ میں درسِ نظامی کے ابتدائی چند سال بھی پڑھ لیے تو اب لاہور جانے کا ارادہ تھا، لیکن فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہو رہا تھا۔ کیوں کہ گھر میں بھی کوئی بھیجنے کو تیار نہیں تھا۔ ایک کشش کی کیفیت تھی ہی، وہ کیسے رُک سکتی تھی۔ اب دوسرا مسئلہ یہ تھا کے حضرتؒ جی کے پاس دورۂ حدیث کے لیے ادارہ رحیمیہ لاہور پہنچنے کے لیے مجھے سال سوم بھی پڑھنا تھا۔ اب بڑی مشکل سے اپنی جیب خرچ وغیرہ جمع کر کے پہلے چشتیاں میں سال سوم پڑھا۔ جہاں استادِ محترم حضرت مفتی عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم نے بڑے شفیقانہ انداز میں تربیت کی۔ اللہ پاک مفتی صاحب کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔ چشتیاں میں بھی جب حضرتؒ جی کا سفر ہوتا تو وہاں کے اساتذہ مجھے ہی حضرتؒ جی کی خدمت پر لگاتے۔ اللہ کا شکر ہے حضرت جی نے ہر جگہ ہمیں اپنی خدمت میں قبول کیا۔ اسی محبت اور کشش کا نتیجہ تھا کہ ہمیں 03/اکتوبر 2008ء کو حضرتؒ جی کی قدم بوسی کا شرف ملا اور ہم آپؒ کی خدمت میں لاہور آگئے۔ جب ادارہ رحیمیہ پہنچے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بس تمام زندگی کا خلاصہ یہی زندگی ہے۔

جب حضرتؒ جی کی مجلس ہوتی تو اکثر ہم ساتھیوں کے ساتھ اپنی شرارتوں میں لگے رہتے، بلکہ آخر تک ہم نے کھیل کود میں ہی وقت گزارا، لیکن کیا مجال کہ حضرتؒ جی نے ہم پر کبھی اپنی شفقت کو کم ہونے دیا ہو۔ حضرتؒ جی کا ہر عمل اس بات کا اظہار کر رہا ہوتا کہ واقعی آپؒ اس دور کے بڑے عظیم لیڈر ہیں۔ آپؒ کا سکھانے کا طریقہ خود عمل کر کے دکھانا ہوتا تھا۔ جس سے غیر آدمی بڑی آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ تقریباً چار سال باوجود نااہل اور بدتمیز ہونے کے حضرتؒ جی نے اپنی چھاتی سے لگائے رکھا۔ کبھی ناراضگی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ ان آخری چار سالوں میں رات دن، صبح شام ہم حضرتؒ جی کے قدموں میں ہوتے۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کب صبح ہوئی، کب شام ہوئی، کب رات ہوئی۔ کبھی کبھی ہم رات کو کھیل کود میں لگ جاتے تو صبح نہیں اٹھا جاتا تو حضرتؒ جی خود اُٹھ کر اپنے نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر پھر ہمیں اٹھاتے، تاکہ اس کی نیند خراب نہ ہو۔ اکثر اپنا کام خود ہی کر لیتے اور کہتے کہ بس دیکھتے رہو۔

حضرتؒ جی کے صبح شام کے معمولات بڑے سخت تھے۔ کوئی نوجوان بھی اس طرح کے معمولات بمشکل ہی کر سکے، مگر جسے اللہ توفیق دے۔ آپؒ صبح تہجد کے لئے تین سے ساڑھے تین تک بیدار ہو جاتے۔ نوافل سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو جاتے اور نماز تک تلاوت میں ہی مشغول رہتے۔ بعد از فجر اگر طبیعت اچھی ہوتی تو سیر پر تشریف لے جایا کرتے، اگر کچھ نقاہت ہوتی تو چائے یا دودھ نوش فرما کر آرام فرما لیتے۔ پھر نو ساڑھے نو تک بیدار ہو جاتے اور حجرے سے باہر آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے کہ دوست وغیرہ ہوں تو ملاقات ہو جائے، ورنہ اخبار کا مطالعہ فرماتے۔ خاص طور پر کہتے کہ آڈیٹوریل پڑھ کر سناؤ۔ پھر ناشتہ تناول فرما کر قیلولہ فرماتے یا دوست ہوتے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ بعد از نماز ظہر اکثر مطالعہ فرماتے، اگر دوست ہوتے تو ان کے ساتھ ہی بیٹھ جاتے۔ بعد از عصر حضرتؒ جی سے دوست استفادہ کرتے۔ بعد از نماز مغرب مجلس ذکر ہوتی اور پھر آپؒ کھانا تناول کرنے چلے جاتے۔ بعد از نماز عشا دوست حضرتؒ جی کے حجرے میں جاتے اور استفادہ کرتے اور اسی دوران ادارے میں مقیم دوست حضرتؒ جی کی خدمت میں مشغول ہو جاتے۔ کبھی کبھی کوئی موضوع چھڑ جاتا تو سونے تک رات کو 12 بھی بج جاتے۔ یہ تو حضرتؒ جی کے آخری دو تین سالوں کے معمولات ہیں۔ اس سے ہم حضرتؒ جی کے نوجوانی اور جوانی کے معمولات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت کتنے سخت معمولات ہوں گے۔

حضرتؒ جی کی فہم و بصیرت اور نظر اتنی تیز تھی کہ قدم اٹھانے سے پہلے ہی آپؒ کو پتہ چل جاتا کہ اب یہ کیا کرنے والا ہے۔ فوراً کہہ دیا کرتے کہ ہاں ہاں کرلے۔ ایک دفعہ رات کو سرہانے بیٹھا ہوا سر دبا رہا تھا، ایک دوست اور بھی تھے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت سو جائیں تو باہر چکر کے لیے جاؤں گا۔ ابھی خیال آ ہی رہا تھا کہ حضرتؒ جی فرمانے لگے کہ ''ہاں ہاں تیرا گشت تو رات ہی کو ہوتا ہے اور صبح کو تو سوتا رہتا ہے۔'' ایک دفعہ صبح نماز فجر کے بعد ایک صاحب چند لوگوں کو لے کر حضرتؒ جی کی خدمت میں آئے۔ حضرتؒ جی کے کمرے میں دوسرے سینئر حضرات بھی موجود تھے۔ ان صاحب نے حضرتؒ جی سے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں آئین کے لیے ایک کچھ باتیں طے کی جا رہی ہیں اور اس پر انھوں نے خوب لمبی چوڑی تقریر کی اور کہا کہ اس کے لیے ایک ارب روپے مختص ہیں۔ آپ مفتیانِ کرام سے کہیں کہ اس پر کام کریں۔ حضرتؒ جی نے بے ساختہ فرمایا کہ: ''بھئی اس کام کے لیے کراچی کے مدرسوں کے بڑے بڑے مفتی ہیں، آپ یہ کام اُن کے ذمے لگائیں۔ ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔'' ان لوگوں کے جانے کے بعد حضرتؒ جی آرام فرمانے لگے تو لیٹے لیٹے فرمایا کہ: ''بھئی ایسے لوگ ہی دراصل جماعتوں کو اصل کام سے ہٹا کر اپنے معاونوں کا محتاج کر دیتے ہیں۔ یہ تو خانقاہ کی اور جماعت کی برکت ہے کہ اللہ پاک ہمیں اور جماعت کو ایسے لوگوں سے بچا کر رکھتا ہے۔''

جب حضرتؒ جی 2010ء میں حج کی سعادت حاصل کر کے آئے تو اس وقت کچھ مخالفین کی تحریک زوروں پر تھی اور رائے پور سے ٹکر لینے والوں نے بغیر سوچے سمجھے رائے پور کے جانشین سے ٹکرانا چاہا، ان ایام میں حضرتؒ جی نے اس کی کوئی پروانہ کی کہ کون تیس سال سے ہمارے ساتھ ہے اور کون چالیس سال سے ہمارے ساتھ ہے۔ فرماتے تھے کہ: ''جماعتوں میں اس طرح لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔'' رات کو جب تہجد کے لیے حضرتؒ جی بیدار ہوتے تو نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز فجر تک تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک سورۃ الفتح کی تلاوت فرماتے اور تلاوت میں آواز بھی آپ کی اونچی ہوتی۔ کبھی کبھی کھڑے بھی ہو جاتے اور آنسو بھی جاری ہو جاتے۔ اس پورے عرصے میں حضرتؒ جی کا یہی معمول رہا۔ اس کا نتیجہ ہم نے یہ دیکھا کہ اللہ پاک نے حضرت کی مخالف کرنے والوں سے جماعت کی کتنی آسانی سے جان چھڑا دی اور وہ

rahimia.org

خود اپنے منہ ذلیل ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اللہ پاک ہماری جماعت کی حفاظت فرمائے۔

حضرتؒ جی نے دورۂ حدیث مکمل ہونے کے بعد سب سے پہلے ہمیں ''نقش حیات'' کے مطالعے کا حکم دیا۔ روزانہ جو مطالعہ کرتا، حضرتؒ جی امتحان لیتے کہ آج کیا مطالعہ کیا ہے؟ اس کے بعد آپؒ نے ''روداد برصغیر'' اور ''القول الجمیل'' ایک ساتھ شروع کرائی، بلکہ ''القول الجمیل'' تو پوری سنی۔ میں پڑھتا تھا اور آپ سنتے تھے۔ پھر کتاب ''شعور و آگہی''، اس کے بعد ''قرآنی شعورِ انقلاب'' کا مطالعہ کرایا۔ پھر کہا کہ: ''اب اکابرین کی سوانح کا مطالعہ کرو۔ اس میں سب سے پہلے سوانح شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ (تصنیف حضرت مفتی عبدالخالق آزاد)، پھر سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، اس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ''ازالۃ الخفاء'' کو دیکھو۔'' اور سب سے زیادہ جو کتاب حضرتؒ جی کے مطالعہ میں رہتی تھی، ''ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ'' اور ''مولانا محمد الیاس دہلویؒ اور ان کی دینی دعوت''۔ اسی طرح رسائل میں ''عزم''، ''شعور و آگہی''، ''رحیمیہ'' اور میڈیا فاؤ ڈیشن کے رسائل مستقل مطالعے میں رہتے۔ اسی سے ہمیں کچھ مطالعے کا شوق ہوا، ورنہ مطالعہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

آخری رمضان المبارک سے کچھ عرصہ پہلے رائے پور کے رمضان کی باتیں ہو رہی تھیں کہ بڑے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے دور میں بڑے بڑے علما، حضرتؒ جی ثانی کی خدمت میں رہ کر پورے ماہ رمضان میں ذکر کا چلہ کیا کرتے تھے۔ ایک دو دنوں کے بعد میں نے بھی حضرتؒ جی سے کہا کہ میں بھی اس رمضان میں ذکر کا چلہ کروں گا۔ حضرتؒ جی نے کہا کہ ''بہت اچھا ہے اگر پوری دل جمعی سے کرو گے تو بہت فائدہ ہوگا۔ اس کے لیے اپنا کوئی ساتھی بھی تلاش کرلے، جو شوق رکھتا ہو ذکر میں۔ ساتھی ہو جائے گا تو تجھے آسانی ہو جائے گی اور دل لگے گا۔'' اور فرمایا: ''پورا ذکر گیارہ تسبیح نفی اثبات اور چالیس تسبیح اسم ذات کی ہیں۔'' اللہ کا شکر ہے کہ ایک ساتھی پشاور کے ایک دوست اسکول ٹیچر ہیں، ان کی بھی چھٹیاں ہو رہی تھیں، میں نے ان کو ذکر کے اس چلے کے لیے راضی کرلیا۔ جب حضرتؒ جی کو میں نے بتایا کہ آپ کی دعاؤں سے ایک ساتھی تیار ہو گیا ہے، تو حضرتؒ جی مسکرائے اور کہا کہ: ''اللہ خیر کرے۔'' ہم اور ہمارے ساتھی نے حضرتؒ جی کی اجازت سے رمضان المبارک سے تین دن پہلے چلہ شروع کر دیا۔ حضرتؒ جی نے فرمایا کہ: ''اب اعتکاف کی نیت کرلو اور باہر جانا بند، سوائے ضروری کام کے۔'' روزانہ حضرتؒ جی ہم سے پوچھتے کہ ''بھئی ذکر پورا ہو جاتا ہے؟'' اس وقت شوق تھا، پتا ہی نہ چلتا، ساڑھے تین چار گھنٹے لگتے۔ رات ایک بجے شروع کرتے، فجر تک ذکر پورا ہو جاتا۔ جب بھی ہم حضرتؒ کے پاس جاتے تو حضرتؒ جی فرماتے کہ: ''بھئی اس ذکر کو محض ثواب کی نیت یا فرض واجب سمجھ کر نہیں کیا کرو، بلکہ اس کو علاج کے طور پر کرو کہ یہ ذکر علاج ہے تو زیادہ فائدہ ہوگا۔'' یقیناً ہوا بھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ''ذکر تمام عبادات کی جان ہے اور اگر کوئی خالص عبادت ہے تو وہ صرف ذکر ہی ہے۔'' فرماتے تھے کہ ''جب ہم کوئی بکریاں وغیرہ پالتے ہیں تو جہاں ان کو رکھا جاتا ہے، اس کے چاروں طرف ہم باڑ بناتے ہیں کہ حفاظت ہو۔ تو اسی طرح یہ ذکر تمام کاموں، چاہے اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو، یہ ان تمام کے لیے باڑ کا کردار ادا کرتا ہے۔ اللہ پاک حفاظت کرتا ہے۔ اللہ پاک استقامت دے۔ **اللّٰھمّ ثبّت قلوبنا علٰی دینک**''

آخری عشرے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی سلاسل اربعہ پر مشتمل کتاب ''ضیاء القلوب'' میرے ہاتھ لگی۔ میں حضرتؒ جی کو بڑے شوق سے پڑھ کر سناتا۔ خاص طور پر ذکر کے طریقے۔ حضرتؒ جی فرماتے کہ ''بھئی یہ اس دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ تو مضبوط لوگوں کے لیے ہے۔ اس کو پڑھنے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔ کیوں کہ جب وہ کیفیات نہیں پیدا ہوں گی تو مایوسی ہوگی۔ آج کے دور میں وہ کیفیات نہیں پیدا ہو سکتیں، بس اسی پر دوام ہو جائے یہ کافی ہے۔'' میرے ذہن میں حضرت مجذوبؒ کا یہ شعر آیا ؎

لب پہ ذکرِ اللہ اللہ کی تکرار ہو　　دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
اس پر کر لے تو گر حاصل دوام　　پھر تو کچھ دن میں ہی بیڑہ پار ہو

ایک دفعہ کسی دوست نے مجھے واسکٹ دی۔ میں نے حضرتؒ جی کو بتائے بغیر ہی پہن لی۔ ورنہ جب بھی مجھے کوئی کچھ دیتا تو میں حضرتؒ جی کو بتاتا۔ اگر حضرتؒ جی کو دینا ہوتی تو کہتے کہ اوڑھ لے، ورنہ کہتے کہ الماری میں رکھ دے۔ میں جب حضرتؒ جی کے کمرے میں آیا، دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ دوستوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: ''بھئی! جب کوئی خانقاہ میں رہتے ہوئے تحفے تحائف کے چکر میں پڑ جائے تو یوں سمجھ لو کہ اس کی تربیت ہونا بند ہو گئی۔'' حضرتؒ جی سفر میں کبھی کچھ نہیں کہتے، بلکہ ہر وقت کہتے کہ ''تو آرام کرلے، تھکان ہوگی۔'' ہم بھی حضرتؒ جی کے ساتھ سفر میں کھا کھا کر اور سو سو کر تھک جاتے، لیکن حضرتؒ پھر بھی کہتے کہ ''آرام کرلے۔''

آخری عید سے ایک دن پہلے مجھے کہیں سے ''تذکرۃ الرشید'' (حضرت گنگوہیؒ کی سوانح) کتاب مل گئی۔ میں مطالعہ کر رہا تھا، حضرتؒ جی نے دیکھ لیا اور فرمانے لگے کہ ''اکیلے اکیلے کیا پڑھ رہا ہے؟ مجھے بھی سنا'' پھر میں حضرتؒ جی کو مختلف واقعات سناتا، حضرتؒ جی بڑے خوش ہوتے۔ حضرتؒ جی کے آخری عید والے پورے مہینے میں اکابرین کی محبت کا ایسا غلبہ تھا کہ بس کبھی فرماتے کہ: ''حضرت گنگوہیؒ کا فلاں واقعہ سنا۔'' کبھی فرماتے کہ ''حضرت نانوتویؒ کا فلاں واقعہ سنا۔'' کبھی فرماتے ''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا واقعہ سنا''۔ ''تذکرۃ الرشید'' تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ عید کے دوسرے دن سے شروع کی اور ایک ہفتے میں پوری مطالعہ کی۔ بعض واقعات آتے تو لیٹے لیٹے اچانک اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ خاص طور پر ایک واقعہ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کی شہادت کا واقعہ کئی کئی بار کہتے کہ سنا۔ گویا کہ ہم نماز فجر کے بعد سے بیٹھتے اور ناشتے تک پڑھتے رہتے۔ مجھے بھی مزا آ رہا تھا۔ حضرتؒ جی بھی بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سنتے تھے اور ہر واقعے کے بعد ''سبحان اللہ'' کہتے اور کہتے کہ ''واقعی وہ لوگ اونچے درجے کے بزرگ تھے۔''

حضرتؒ جی کے ساتھ آخری دعوت پر لاہور کے ایک دوست کے بھائی کی تقریبِ نکاح میں گئے۔ وہاں کچھ بے پردگی کا ماحول تھا۔ واپس جب ادارے تشریف لائے اور آرام کے لیے لیٹے تو فرمانے لگے کہ: ''بھئی! کسی کا دل نہ ٹوٹ جائے اس لیے جانا پڑتا ہے۔ ورنہ ماحول کی خرابی کی اثرات کافی دیر تک دل پر رہتے ہیں۔'' اور فرمایا کہ: ''ہمارا مقصد تو حوصلہ افزائی ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں، کہیں ان کا دل نہ ٹوٹ جائے۔''

ایک دفعہ انھی ایام میں فرمایا کہ: ''تو کام تو کرتا ہے، لیکن کام لینا بھی آنا چاہیے۔'' میں نے حضرتؒ جی سے کہا کہ: حضرت! مجھ سے کسی کو یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں کام کرو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''کام کرنا تو آسان ہوتا ہے، کام لینا مشکل ہوتا ہے اور ہم نے تو اپنی ساری زندگی میں یہ تجربہ حاصل کیا ہے کہ اگر کسی سے کام لینا ہو تو اس کو بڑا بنا دو اور خود چھوٹے ہو جاؤ۔ اس طرح تمہاری عزت دوسرے کے دل میں بڑھ جائے گی اور کام بھی آسان ہو جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ حضرت کی بیان کردہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

rahimia.org

احکام ومسائل قربانی

از مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

مسئلہ نمبر۱: ہر ایسے مسلمان عاقل، بالغ مرد وعورت پر قربانی کرنا واجب ہے جو عیدالاضحیٰ کے دن مقیم ہو اور صاحبِ نصاب اور مالدار ہو یعنی ساڑھے باون تولہ (52-1/2) چاندی یا اس کی قیمت کے برابر ضرورت سے زائد سامان کا مالک ہو۔ اس مال کی ملکیت پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر اس دن بھی اتنے مال کا مالک بنا تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ (شامی۔ص:۶/۳۱۲)

مسئلہ نمبر۲: گھر میں موجود تمام افراد الگ الگ نصاب کے بقدر مالک ہوں تو ہر ایک پر علیحدہ سے قربانی کرنا واجب ہے۔ صرف گھر کے سربراہ کی طرف سے قربانی کر دینا سب کے لیے کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر۳: قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔ بیوی اور اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔ بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہوگی، لیکن اس کے مال میں سے قربانی کرنا ہرگز جائز نہیں۔ (عالمگیری ص ۱۹۹ جلد ۶)

مسئلہ نمبر۴: فقیر محتاج اور مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔ (شرح البدایہ ۴/۴۴۳)

مسئلہ نمبر۵: ایسا قرض دار کہ اس کے پاس موجود مال کے عوض اس کا قرض ادا ہوتا ہو اس پر بھی قربانی واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر قربانی کر لے تو ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر۶: قربانی کے جانور شرعاً مقرر ہیں۔ بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اونٹنی، صرف ان جانوروں کی قربانی درست ہے اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۷: قربانی کے لیے گائے، بیل، بھینس، بھینسا کی عمر کم از کم دو (۲) سال، اور اونٹ، اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر بھیڑ یا دُنبہ سال بھر سے کم کا ہو لیکن موٹا تازہ اتنا ہو کہ سال والے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے، تو فرق محسوس نہ ہو، تو اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ چھ ماہ سے کم نہ ہو۔

مسئلہ نمبر۸: گائے، بھینس اور اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کر لیں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور اس کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو۔ اگر کسی ایک حصہ دار کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہو یا تجارت کی ہو، تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر۹: چھوٹے جانور بھیڑ، بکری وغیرہ میں کئی آدمی شریک نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک شخص کی جانب سے ایک ہی جانور ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱۰: اگر گائے، بھینس، اونٹ میں سات (۷) آدمیوں سے کم شریک ہوئے، مثلاً پانچ (۵) آدمی یا چھ (۶) آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب سب کی قربانی درست ہے۔ اور اگر آٹھ (۸) آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔ (ایضاً)

مسئلہ نمبر۱۱: اگر کسی آدمی پر قربانی واجب ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے اس کا حصہ گائے وغیرہ میں رکھ دیا تو کسی کی قربانی جائز نہ ہوگی، البتہ اگر نفلی ہو تو جائز ہوگی۔

مسئلہ نمبر۱۲: سات (۷) آدمی گائے میں شریک ہوئے تو گوشت کے سات (۷) حصے بناتے وقت اندازہ سے تقسیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اچھی طرح ٹھیک تول کر تقسیم کرنا چاہیے۔ اگر کوئی حصہ زیادہ یا کم رہا تو سود ہو جائے گا اور گناہ ہوگا۔ (شرح التنویر ص ۳۱۰ جلد ۵)

مسئلہ نمبر۱۳: قربانی کا جانور صحیح اور بغیر عیب کے ہونا چاہیے۔ لہٰذا ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں جن میں درج ذیل عیب ہوں:

۱۔ اندھا یا کانا ہونا۔

۲۔ بہت بیمار، بہت دُبلا پتلا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔

۳۔ اتنا لنگڑا کہ صرف تین پاؤں پر چلتا ہو، چوتھے پاؤں سے چل نہ سکتا ہو۔

۴۔ تمام یا اکثر دانت گر گئے ہوں یا سرے سے دانت ہی نہ ہوں۔

۵۔ پیدائشی کان ہی نہ ہوں یا کان تو ہوں لیکن اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔ (البتہ وہ جانور جس کے کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے ہیں تو اس کی قربانی جائز ہے)

۶۔ مادہ جانور کے تھن بالکل نہ ہوں یا دوائی وغیرہ لگا کر خشک کر دیئے گئے ہوں بھیڑ بکری کا صرف ایک تھن ہو۔ گائے، بھینس اور اونٹنی کے صرف دو تھن ہوں۔

۷۔ جس جانور کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔ (البتہ جس جانور کے پیدائشی ہی سینگ نہ تھے یا سینگ تھے اور ان کے خول ٹوٹ گئے تو اس کی قربانی جائز ہے)

مسئلہ نمبر۱۴: ذی الحجہ کی دسویں (۱۰) تاریخ سے لے کر بارہویں (۱۲) تاریخ کی شام (غروب آفتاب) تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ جس دن چاہے قربانی کرے لیکن بہترین دن دسویں (۱۰) تاریخ کا دن ہے۔ پھر گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر۱۵: نمازِ عیدالاضحیٰ ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۱۶: اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو ذبح کے وقت سامنے کھڑا ہونا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر۱۷: قربانی کا گوشت خود کھائے، اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرے۔ فقیروں اور محتاجوں کو خیرات کر دے سب جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ خیرات کرے۔

مسئلہ نمبر۱۸: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۱۹: جس نے قربانی کرنے کی نذر مانی پھر وہ کام ہو گیا جس کی نذر مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ چاہے مالدار ہو یا نہ ہو۔ اور نذر کی قربانی کا سارا گوشت فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، نہ خود کھائے نہ امیروں کو دے۔

مسئلہ نمبر۲۰: قربانی کی کھال یا اس کی قیمت یا گوشت چربی / چھیچھڑے وغیرہ قصاب کو ذبح کے عوض دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۲۱: قربانی کی کھال، جانور کے گلے کی رسی وغیرہ سب چیزیں اللہ کے راستے میں خیرات کرنا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں فروخت کر دیں تو ان کی قیمت خیرات کرنا لازم ہے۔ البتہ قربانی کی کھال اگر خود استعمال کرے، مثلاً جائے نماز بنا لے تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۲۲: قربانی کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ یکم ذی الحجہ سے لے کر قربانی سے فارغ ہونے تک حجامت نہ بنوائے تاکہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے۔

rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

عید الاضحیٰ کے احکام ومسائل

از مفتی عبدالغنی قاسمی

مسئلہ نمبر۱: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ عید الاضحیٰ ہے۔اس دن ہر اس مسلمان پر دو رکعت نماز باجماعت بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے، جس پر جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ نمبر۲: عیدالاضحیٰ کے دن درج ذیل چیزیں مسنون اور مستحب ہیں:

۱۔ صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔ ۲۔ شریعت کے مطابق اپنی آرائش کرنا۔
۳۔ غسل کرنا۔ ۴۔ مسواک کرنا۔
۵۔ عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا۔ ۶۔ خوشبو لگانا۔
۷۔ عید کی نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا۔ ۸۔ عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھنا۔
۹۔ عیدگاہ صبح سویرے جانا۔ ۱۰۔ عیدالاضحیٰ کی نماز اول وقت پڑھنا۔
۱۱۔ عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر تشریق یعنی "اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، وَلِلّٰہِ الْحَمْد" کہنا۔اور پیدل عیدگاہ جانا۔
۱۲۔ عیدگاہ جس راستے سے جائے دوسرے راستے سے واپس گھر آنا۔

مسئلہ نمبر۳: جہاں نماز عید پڑھی جائے وہاں اس دن اور کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز سے پہلے بھی اور نماز کے بعد بھی، ہاں گھر آ کر نماز عید کے بعد پڑھنا مکروہ نہیں اور نماز عید سے پہلے گھر میں بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ نمبر۴: عورتیں اور جو لوگ کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں ان کا نماز عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ نمبر۵: ایک شہر میں عیدین کی نماز بالاتفاق متعدد جگہوں میں جائز ہے۔

تکبیرات تشریق کے احکام

عرفہ یعنی نو (۹) ذی الحجہ سے تیرہ (۱۳) ذی الحجہ تک پانچ (۵) دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ان ایام میں باجماعت ادا کی جانے والی ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق یعنی: "اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، وَلِلّٰہِ الْحَمْد" کہنا واجب ہے۔البتہ عورتیں یہ تکبیر آہستہ آواز سے پڑھیں۔

نو (۹) ذی الحجہ نماز فجر سے لے کر تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد یہ تکبیرات کہی جائیں گی۔یہ کل تیئیس نمازیں ہوئیں۔نماز کے فوراً بعد یہ تکبیرات کہنا چاہیے۔

اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں۔یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب کہیں۔نماز عیدالاضحیٰ کے لیے گھر سے نکلیں تو راستہ میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہنا چاہیے۔نماز عیدالاضحیٰ کے بعد بھی تکبیر کہنا بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔

طریقہ نمازِ عید الاضحی

سب سے پہلے یہ نیت کرے کہ "دو (۲) رکعت واجب نمازِ عیدالاضحیٰ چھ واجب تکبیروں کے ساتھ ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں۔"

پہلی رکعت اس طرح ادا کی جائے گی: تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔امام ومقتدی سبحانک اللھم آخر تک پڑھیں۔اس کے بعد امام تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور ہاتھ چھوڑ دے، آخری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے۔مقتدی بھی اس کی اقتداء کریں، اس طرح تین تکبیرات ادا کی جائیں گی۔ہر دو (۲) تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ ضروری ہے کہ تین (۳) مرتبہ سبحان اللہ کہہ لے اس کے بعد دیگر نمازوں کی طرح قرأت فاتحہ وسورت اور رکوع وسجود کیے جائیں۔

دوسری رکعت میں امام پہلے قرأت کرے گا اس کے بعد پہلی رکعت کی طرح تین (۳) تکبیرات زائدہ ادا کی جائیں اور ہر دفعہ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں، آخری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے ہوئے رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور سجود کے بعد حسبِ معمول تشہد پڑھ کر نماز مکمل کریں۔

مسئلہ: اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی ہو اور سب لوگ پڑھ چکے ہوں تو وہ شخص تنہا نماز عید نہیں پڑھ سکتا۔اس لیے کہ نماز عید میں جماعت شرط ہے۔

مسئلہ: اسی طرح اگر کوئی شخص نمازِ عید میں شریک ہوا اور کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگئی ہو تو وہ بھی اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا، نہ اس پر قضاء واجب ہے۔البتہ اگر فاسد ہونے والی نماز میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں تو پھر پڑھنا واجب ہے۔

خطبہ عیدالاضحیٰ کے احکام: نماز عیدالاضحیٰ کے بعد امام دو (۲) خطبے پڑھے گا۔خطبہ پڑھنا سنت ہے اور خطبہ سننا واجب ہے۔یعنی اس وقت آپس میں بولنا، چلنا، پھرنا، اور نماز پڑھنا وغیرہ سب ناجائز ہے۔

ادارہ رحیمیہ میں اجتماعی قربانی کا انتظام

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ مین کیمپس لاہور میں اجتماعی قربانی کا انتظام کیا گیا ہے، جو احباب اپنے یا اپنے دوستوں اور احباب کے قربانی میں حصص رکھنا چاہیں، وہ ادارہ کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا نام درج کروالیں۔

گائے میں قربانی کا ایک حصہ تقریباً مبلغ =/7000 روپے کا ہوگا۔

تمام احباب سے درخواست کی جاتی ہے کہ چرمہائے قربانی اکٹھا کرنے کے لیے ملک بھر میں ادارہ کے قائم کردہ مراکز میں کارکنان اور معاونین رحیمیہ سے بھرپور تعاون فرمائیں۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)

حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف اثر (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)

حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبر شپ کی رقومات کی ترسیل بنام
"رحیمیہ لاہور" میزان بینک قرطبہ چوک براچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے
اے۔جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔